

حکیم صاحب - مشرقاً تو یہ کوئی بات نہیں ہے کہ ہماری عیادت کے لئے رات کو
نہ جانا چاہئے مگر خیر بہتر ہے کل جائے گا۔
اختری - جعفری بحیم کے خلاف ہو گا۔

حکیم صاحب - جب تک خورشید مرزا بے ہوش رہے جعفری حاکم دلت تھیں
اب ان کی دوپہر کی سلطنت کو زوال آگیا۔ اس پر ڈبی ہنسی ہوئی۔ حکیم صاحب رخصت
ہوئے۔

پاہ

نواب مرز آگارڈ سے اجازت لے کر پھلی گاڑی میں سوار ہو گئے تھے۔ ان کے دوسرا ایش پر بیخ کے انہوں نے بسی کامکٹ لیا، دوسرا گاڑی میں جا کر چور کی گرفتاری کرنے پڑے گئے تھے مگر خود چور ہوئے تھے، اس نے کہ ان کو خون لھا کہ مرآد علی نے جھلکی دیکھی تو راستہ سے اُتر جائے گا ہر پتہ مناد شوار ہو گا۔ اس نے گاڑی سے ایک دم کے لئے ناٹرتے تھے۔ تھردانکیرج بھی لیکن گاڑی بدلنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ کسی قسم کا سامان سفر ساتھ نہ لھا۔ بستر نہ لوٹا۔ حق گر روپیہ پاس لھا۔ راستہ میں کہیں کسی مسافر سے کہیں ریل کے قلی سے کچھہ کھانے کو منگایا بھشتی کے تام لوٹ سے پانی پیا۔ کسی کے لوت سے پانی پیا۔ ایک مسافر کے پاس ایک دردی زائد تھی اُس سے متست کر کے دری خریدی۔ غزنکہ سفر کے تمام ہوتے ہوئے جو سامان بہت ضروری تھا ہمیا کر دیا۔

گاڑی کی روائی کے بعد مرآد علی کے جان میں جان آئی۔ اب یہ سنجد کے بیٹھا بوئن کو قسلی دیتا جاتا ہے۔ بہلا نا جاتا ہے روپیہ بہت سا پاس لھا۔ گاڑی رزو تھی راستہ میں جو سددے والا بلا لیا گی۔ ترکاری میوہ کھلو نے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو بوئن کی خاطرداری کے لئے خرید نہ کی ہو۔ نواب مرز اب سب کر شئے دیکھ رہے تھے کئی مرتبہ مرآد علی نواب مرز کی گاڑی کے پاس نکلا، ان کی نگاہی اُسی طرف لگی رہتی تھیں جب اُس کو آتے دیکھا کسی مسافر کی آڑ میں ہو گئے۔ ان کے ہمراہ مسافروں

میں ایک مبینی کے سیٹھے تھے۔ ان سے بہت خلائلا بڑھا لیا جس مطلب کے لئے تھا
تھے وہ مطلب بھی بیان کر دیا۔ کیوں کہ یہاں رازداری کا کوئی محل نہ تھا۔ سیٹھ موسیٰ
بھائی کو حور کی صورت بھی دکھانی، سیٹھ جی نے اپنے مکان کا پتہ دیا اپنے مکان
پڑھنے کو کہا اخنوں نے معدزت کی کریں تو اس مردود کے ساتھ ساتھ ہوں جہاں
یہ پڑھنے کے وہیں میں بھی پھر وہ گا۔ ہاں خودرت کے وقت آپ کو خود تکلیف
دوں گا۔ موسیٰ بھائی نے ہر طرح مدد دینے کا وعدہ کیا، تیسرے دن گارڈی قریب شام
بینی بنا پھی۔

مرآد علی سگارڈی سے اُترا بوٹن کو اتارا اسباب قلیدیں نے اتارا، اب فلیوں
سے دریافت کر رہے ہیں، یہاں قریب کوئی ہوش ہے۔ یہ فلیوں سے باشیں کر رہے
تھے اور نواب مرزا دو قدم کے فاصلہ پر مسافروں کی آڑ میں جھکے کھڑے ہیں، اس طرح
کہ جب چاہیں اُس کا ہاتھ پکر دیں۔

مرآد علی نے راستہ میں دریافت کر لیا تھا کہ ایک جہاں دو مرے تیسرے
چھوٹا کرتا ہے۔ چاہتا تھا کہ فوراً اُسی جہاں کا ٹکڑا لے کے کراچی روانہ ہو جائیں گے۔
پھر دہاں سے بغداد یا عدن جس طرف کا جانے والا جہاں ہو گا سوارہ ہو جائیں گے۔
نواب مرزا قریب ہی کھڑے ہیں مگر اب بھی پس و پیش کرتے ہیں۔ بوتن کو ساتھ
دیکھ کے خیال آیا کہ یہ بدمعاش اس غریب نوجوان عورت کو کہاں سے بھکالا یا ہے
اس کم بخت کی زندگی خراب کی۔ کیا کیا امیدیں دلاتے کے لایا ہو گا، اب ہوڑی دیر میں
اس کی تمام آرزویں خاک میں لجائیں گی۔ ان کو خیال یہ ہوا کہ اب بھی اگر باشندی
دز جی کا مسئلہ تھا تو اس عورت کی غاطر سے اس کو جمل غانہ سے بجا دینا چاہئے۔
یہ بھی خیال تھا کہ اگر اس کے سامنے اس کو گرفتار کروں گا رفتار پیش کر دیں گے۔
جہاں تک ممکن ہو مرآد علی سے پہلے علیحدہ گفتگو کر کے معاملہ کو ختم کر لینا چاہئے۔

تاکہ مکروہ صورت نہ پیش آئے، بوٹن کی صورت بھی انہوں نے دیکھہ لی تھی فوراً ہی اپنی
لڑکی کا خیال آیا دل نے کہا یہ بھی کسی شریف کی لڑکی معلوم ہوئی تھے خدا جانے کے
طرح اس مودتی کے چنگل میں بھینس گئی تھے خیرآب جو ہوا ہوا اب بھی اس بد نصیب
کا پردہ ڈھکا رہے تو بہتر ہے اس کی گرفتاری کے بعد اس عورت کے بارے میں تحقیقات
ہو گی، باپ کو خبر کی جائے گی ناحق ایک شریف کی رسم و سُوادی ہو گی۔ میں تو کوشش کرنگا
آگے اس کی تقدیر، اگر آشتی و نرمی سے کام نہ نکلنے کا پھر محبور اسختی کرنا ہی پڑے گی
نواب مرزا اس شش و پنج میں کھڑے تھے، آخر مراد علی اُسی ہوٹل کی طرف روانہ ہوا
جس کا قلبی نے پتہ دیا تھا۔ بوٹن آور یہ دونوں گاڑی میں سوار ہوئے اس بارہ کھاگیا
اسی عرصہ میں نواب مرزا نے دوسری گاڑی پر بیٹھ کے اسی کے پیچھے اپنی گاڑی کو لے کیا
مراد علی نے اس ہوٹل کے ایک کمرہ میں دوسری منزل پر بوٹن کو اتارا اور خود جہاز کی
فلکیں چلنے کا قعدہ کیا، بوٹن نے کہا دیر نہ لکانا میں اکیلی ڈرتی ہوں،
مراد علی۔ اس طرح گھر اُگی تو کام ہے کو کام چلے گو۔

بوٹن۔ اچھا جاؤ میں بیٹھی ہوں۔

مراد علی کمرہ کا دروازہ بند کر کے زینہ سے اُتر رہا تھا آدھی سی ٹھیوں تک پہنچا
تھا کہ نواب مرزا سے سامنا ہوا یہ اوپر چڑھ رہتے تھے، نواب مرزا کا سامنا کیا لکھ
موت کا سامنا تھا۔ مراد علی کی تمام کوشش بیکا رہوئی اس نا امیدی کے عالم میں وہ
نواب مرزا سے پٹ پڑا، ظالم کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا، اچھا تو میں بھی تجھے جان
سے مار ڈالوں گا۔ یہ کہہ کے دونوں ہاتھوں سے گلا گھونٹنے لگا۔ اتنے میں ہوٹل کا
خدمت گارجو کرہ دکھائے کو نواب مرزا کے ساتھ آیا تھا اس نے ہاں ہاں کر کے نیچ
بچاؤ کیا۔ نواب مرزا کا اس مراد علی سے زیادہ تھا لیکن نیچے قوت میں کم تھے نہ بہت میں
مراد علی کے معاملہ میں ان کو داجبی رعایت مدنظر تھی اس کے اس مغلوب الغضب ہو گئے

سے بھی اُن کو غصہ نہیں آیا، ہوش کے خدیرت گار کو یہ کہہ کے انھوں نے ٹال دیا کوئی خوف کی بات نہیں یہ نقال ہے اس وقت ٹھاگ کی نقل مجبود کھاتا تھا۔ جاؤ تم اپنا کام کرو کوئی خون کی بات نہیں ہے۔ وہ تو چلا گیا مگر کچھ تھوڑا شور ہو چکا تھا۔ بوٹن کے کان اسی طرف لگتے۔ وہ گھر اکے زینہ پر گئی۔ مگر جب دہ آئی تو یہ دنوں علیحدہ ہو گئے تھے۔

بوٹن کا زکاح یا مصنوعی شادی جو کچھ ہوا ہو خفیہ طریقہ سے ہوئی تھی۔ پھر شرقو اُس کو بھگتا کے لامی تھی ماں باپ کو اطلاع نہ تھی۔ لکھنؤ کے اسٹیشن پر نواب مرزا کو دیکھہ چکی تھی۔ مرآد علی کی ہر حرکت سے اُس کا خوف زدہ ہونا۔ بھی اُس سے چھپا نہ رہا تھا، یہاں نواب مرزا کو پھر دیکھ رہی تھی۔ اس کے پہلے ہائی ہائی یہ کیا کرتے ہوئے آوازیں اُس کے کاٹوں میں گئیں، جن نگاہوں سے نواب مرزا اور مرآد علی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے یہ آثار ایسے نہ تھے کہ بوٹن سے مرآد علی کی حالت پوشیدہ رہ سکتی بوٹن ہائی ہوا؟ مرآد علی، جاؤ تم جاؤ مگرے میں جا کے بیٹھو تم کیوں چلی آئیں۔ بوٹن ایک خندی عورت تھی ایسے پھنسلانے میں کب آتی ہے۔ میں تو اکیلی نہ جاؤں گی۔

نواب مرزا نے پھر انسانیت کا برتاؤ کیا وہ بوٹن سے مخاطب ہوئے۔ ہم دلوں آپ کے کمرہ میں چلتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ صرراہ کوئی بات نہ ہو۔ یہ کہہ کے نواب مرزا بڑھے مرآد علی کو بھی مجبوراً جانا ہی پڑا۔ مگرے میں پہنچا کر دروازہ بند کر کے دنوں آمنے سا منے بیٹھے، بوٹن کوچ پر کتارے بیٹھ گئی۔

مرآد علی۔ آخر آپ کا مطلب کیا ہے۔؟

نواب مرزا۔ صرف دُو دُو باتیں۔

مرآد علی دلے۔ بوٹن کو چھوڑ لگرے میں جو اس بڑے کمرے سے متصل تھا لیجا کے بٹھا دیا۔ تم کو ان باتوں سے کیا عرض ہے۔

بوٹن۔ (بچپن سے کسی کی حکومت ماننے والی نہ تھی، جب ہم لے تمہارا ساتھ دیا تو ہم کو تمہارے ہر کام سے غرض ہے۔ دروازہ کے قریب بیٹھ گئی مراد علی کسی طرح اس گفتگو کے سُنّت سے نہ روک سکا، غریب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا باران جاری تھا۔ ایک میرکرے کے بیچوں نیچ بچھی تھی۔ دو کرسیوں پر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

نواب مرزا۔ اول تو یہ بتا د کہ اس طرح چھرا کے لکھنؤ سے تمہارے بھائی کی کیا وجہ ہے۔ تمہارا حال چلن ضرور مشتبہ ہے۔

مراد علی۔ کہنے والے جو کچھ کہنا ہے سب کہہ لیجئے تو میں جواب دوں گا۔

نواب مرزا۔ سہولت تو اس میں تھی کہ ہر بات کا جواب ملتا جاتا۔ مگر خیریوں ہی سہی۔

بوٹن۔ مراد علی کو اندر بایا۔ جواب کیوں نہیں دیتے۔ سانچ کو کیا آئی۔

مراد علی۔ تو کیا تم کو بھی میری طرف سے کچھ شک پیدا ہوا۔

بوٹن۔ شک ہوا نہ ہوا اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں جو تقدیر دکھائے دیکھوں گی۔

نواب مرزا۔ یہاں آئئے۔ تھوڑی دیر میں میری باتوں کا جواب مل جائے میں چلا جاؤں پھر آپ دونوں میاں بیوی آرام سے بیٹھئے۔ ”یہ بوٹن کی تسکین کے لئے کہا تھا۔“

بوٹن سمجھہ کئی تھی کہ جو شخص لکھنؤ سے یہاں تک ساتھ ہی ساتھ آیا ہے وہ بہت جلد ٹلنے والا نہیں ہے، ضرور سنگین مقدمہ ہے۔

نواب مرزا۔ (مراد علی سامنے موجود ہے، میں خوب جانتا ہوں کہ خود شید مرزا ایک بھولے رہیں کو تم نے خوب شدید میں اٹا را۔ جب وہ تمہارے قابو میں آگئے دے، تو آخری کام بال تم لے کے چلتے ہوئے۔ اگر تم کھرے ہو تو دو دن کے لئے لکھنؤ چلے چلو۔ آخر اجات کا میں ذمہ دار ہوں۔ خود شید مرزا صاحب کو حساب سمجھا کے چلے آؤ۔) پھر تم کو

اغتیار ہے جہاں جی چاہے جاؤ۔

مراوِ علی۔ مگر یہ تکلیف میں کیوں گوارا کروں، میں لکھنؤ نہیں جاؤ نگا، آپ کیا کر سکتے ہیں، آپ کو فقط اشتباہ ہے شبہ پر کوئی کار ردائی نہیں چل سکتی۔ مقدمہ کے وجہ سے آپ بے علم ہیں۔ جو آپ کا خیال ہے وہ بالکل غلط ہے۔

نواب مرزا۔ لکھنؤ تو آپ کو چلنا ہی ہو گا۔

مراوِ علی۔ وارثت گز قاری دکھائی یئے۔ یوں تو آپ نہیں لبھا سکتے۔

نواب مرزا تو آپ نہ جائیں گے۔؟

مراوِ علی۔ ہاں مجھکو لکھنؤ چلنے سے انکار ہے اور اس جرم سے بھی۔

نواب مرزا۔ میں اس نیک بخت کی خاطر سے تمہارے ساتھ ہنایت شریفانہ برداشت کرتا ہوں ورنہ یہ قانون دامن آپ کی دھری رہ جاتی۔ مجھکو خوب معلوم ہے کہ اگر میں پلیس میں ابھی خبر کرتا ہوں کہ مال مسرودہ اُس کے پاس ہے تو ابھی تم گرفتار ہو سکتے ہو، چوروں کی طرح ہتھکڑیاں پڑ جائیں گی، مگر مجھے تمہارے بے آبرو کرنے سے کیا نفع اور خصوصاً ایک شریف زادی کی زندگی بر باد کرنے سے کیا حصل نہ شرطیہ آخر بیکم کو نقصان نہ پہنچے۔ آپ کے اس انکار سے کیا ہوتا ہے مال مسرودہ، آپ کے پاس موجود ہے۔

مراوِ علی۔ مقدمہ اس قدر آسان نہیں ہے۔ ثبوت لائیں۔

نواب مرزا۔ مقدمہ میں کوئی دشواری نہیں، اور ثبوت بھی موجود ہے۔ تم پندرہ روپیہ ماہوار کے نوکر تھے، لاکھوں کی رقم کا تمہارے پاس سے برآمد ہونا یہی کیا کم ثبوت ہے۔ تم کو نشان دہی کرنا ہو گی کہ یہ رقم کثیر اور جواہرات تم کہاں سے لائے۔

مراوِ علی۔ (بہت دلیر ہو کے) جب اس قدر آسان ہے تو آپ دیر کیوں کہتے ہیں۔

کہتے تو کہدیا کہ اور معلوم ہوا کہ نواب مرزا کرسی سے اٹھتے ہیں، مراوِ علی پر سخت خون غالب تھا، چور کا دل کتنا، کوئی صورت مفرکی نہ تھی۔

نواب مرزا پچھ سوچ کر پھر بیکم۔

لواپ مرزا۔ بعض وجوہ سے بلاورت اندازی پولیس میں تم کو لکھنؤ والیں لیجانا پسند کرتا ہوں۔ اچھا جلد کہو چلو گے یا نہیں؟

مرآد علی۔ کچھہ دیر خاموش رہا۔ نجات کی تدبیریں سونچ رہا تھا، لواپ مرزا کی تاخیر سے کسی قدر جرأت بڑھ کی تھی۔ میں آج کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے مہلت دیجئے، کل عنقر کے جواب دوں گا۔ کل صحیح کو صاف جواب دونگا۔

لواپ مرزا۔ مجھکو بہلاتے ہو رزور سے ایک تھقہہ مار کے) "بازی بازی برشی بابا، تم بازی" میں تم سا جعلیہ نہیں ہوں اور شاید قانون بھی تم زیادہ جانتے ہو۔ بہر صورت عقل فساد تھا می بہت بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن اتنا بیوقوف بھی نہیں ہو کہ تم کو کورا چھوڑ دوں۔ کل تک تم سمندر میں بمبی سے کوسوں دُور بکل جاؤ گے، پھر نہیں کون پاسکتا ہے۔ اچھائوں میں حلف نامہ دے کے تم کو فوراً گرفتار کر لے دیتا ہوں۔ تم برش اندٹیا سے باہر جانا چاہتے ہو۔ سمجھے قانون۔ فوجداری نہ سہی یوں سہی ہر طرح مطلب ایک ہی ہے۔

مرآد علی۔ ذرا خوش ہو کے۔ خود شید مرزا کا یا آخری کامخار نامہ رکھا یئے مدعی سُست۔ گواہ چُست۔

لواپ مرزا۔ مخادر نامہ تار پر دو گھنٹے میں آتا ہے۔ خلاصہ زیادہ بالتوں میں وقت نہ طالو فوراً میری ستر طیں منظور کرو۔ یا جواب صاف دو۔ لیں بہت رعایت کی اب آگے فرض کی بجا آ دری ہے۔

مرآد علی۔ جواب دینا چاہتا تھا۔ سخت سے سخت جواب، مایوسی کا عالم تھا مگر بُش دہ دوازہ کھوں کے اسی کمرہ میں چلی آئی تھی۔ چیخ کے روندھی تھی، لواپ مرزا کو مرآد علی کی ذرا سی رعایت منظور نہ تھی مگر ایک بے لبس نوجوان مشرufe کی لڑکی پر ترس آ جاتا تھا۔ آخر لواپ مرزا نے ادھر ادھر دیکھ کے مرآد علی کا بیگ قبضہ میں

کر لیا۔ بہتر ہے تو یہ بیگ میرے قبضہ میں رہے گا۔ اب آپ جب چاہیں جواب دیں۔
مرآد علی۔ بیگ ہاتھ سے رکھ دیجئے، آپ زبردستی کرنے ہیں۔

نواب مرزا۔ ہاں زبردستی آپ پولیس میں خبر کچھے میں سمجھہ لوں گا۔ بہتر ہے
آپ اپنے ہاتھوں خود ہتھکڑیاں چھینے میں تو بچا رہا تھا۔

مرآد علی۔ اچھا بیگ لے جائیئے مگر کنجی میرے پاس رہے گی، کنجی بیگ کے
قفل میں لگی تھی۔ ہاتھ بڑھا کے مرآد علی نے کنجی پھرا کے قفل بند کر دیا اور کنجی اپنے
جیب میں ڈال لی۔

نواب مرزا خود اُس بیگ کو کھولنا نہیں چاہتے تھے نہ اپنے پاس کنجی رکھنا
ضروری خیال کرتے تھے۔ اچھا تو اب آپ کو تمین گھنٹہ کی مہلت ہے۔ اب میں ڈر خست
ہوتا ہوں۔

مرآد علی۔ تو اب میں آزاد ہوں کچھ آپ سے اطلاع کی ضرورت نہیں ہے،
جہاں چاہوں چلا جاؤں۔

مگر یہ صرف نواب مرزا کو بہکانے کے لئے کہا تھا۔
نواب مرزا اپنے خاص کمرے میں چلے آئے۔ ہوٹل کے آدمی سے کھانا منکرا
کھایا، تھوڑی دیر پلنگ پر لیٹ رہے۔ مرآد علی اور بوٹن کمرے میں ایک ساتھ ہی ہیں
بوٹن نے سب باتیں کا نوں سے سنیں اور واقعات آنکھ سے دیکھے، اس کو مرآد علی
کی پوری حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب اس کم سن لڑکی لے تیور بد لے۔
تم نے مجھ سے دغا کی۔

مرآد علی۔ اب تو تم کو سب معلوم ہی ہو گیا۔ میں تمہارے نظر میں بھی پھر
بن گیا۔

بوٹن۔ مگر تم نے مجھ سے دغا کی۔ اب تک مجھ سے کہا کیوں نہیں۔

مرآد علی سمجھا کہ بوٹن میرے ساتھ جرم میں شرکت کرنے کو موجود تھی۔ یہاں نہ تھی بوٹن جو کچھ ہوا اس کا دل بے ایمان نہ تھا۔ اُس نے کہا تو یہ کہا۔

میں اور سب طرح تمہارا ساتھ دینے کو حاضر ہوں مگر چوری کی شرکت انہیں ہوں۔ اختری کو میں جانتی ہوں بڑی نیک بی بی ہے اُس کا مال میں بیٹھ کے کھاؤں یہ مجھ سے نہ ہو گا۔

مرآد علی۔ خیرابا اسے جانے دو۔ جو ہوا ہوا، اس سے نجات کی فکر ہونا چاہئے۔
بوٹن۔ بس نجات اسی طرح ہے کہ اختری بیگم کا سب مال اُن کو پھر دیا جائے۔
اس میں تمہارا بھی کچھ ہے؟

مرآد علی۔ میرا کیا ہے۔ چھپا کے ترکہ میں ایک ہزار روپیہ مجھکو ملے ہیں وہ بھی اُسی بیگ میں ہیں۔

بوٹن۔ بہت خوش ہو کے۔ ایک ہزار! بس وہ ہمارے لئے کافی ہے زندہ ہیں تو محنت مزدوری کر کے بہت کچھ پیدا کر لیں گے۔ حرام کے مال میں کرت ہنس ہوتی۔ جلدی واپس کر دو اور جیسا جانا چاہئے ہو چلو میں ساتھ ہوں۔

مرآد علی۔ ایک ہزار روپیہ تو وہ کئے دن کا ہے۔ سفر خرچ کے لئے بھی کافی نہ ہو گا۔

مرآد علی کا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا نہ تھا اُس نے بوٹن کو دھوکا دیا تھا وہ چاہتا تھا کہ نئی دنیا کو جانا چاہئے وہاں کون میرا بیچھا کرے گا، وہیں جو اہرات بھی لے جائیں گے۔ اور نوٹوں کا بھی معاملہ کسی نہ کسی طرح کر لوں گا۔ خوب فراغت ہے وہ زندگی بس سر کرو گا۔

بوٹن کو اس کا اندازہ نہ تھا کہ سفر میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ سفر خرچ ہم اُن سے لیں گے جو اختری کی طرف سے آئے ہیں۔ بیمارے بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

مرآد علی۔ تم لذات مرزا کو نہیں جانتیں وہ ایک حبہ دینے والا نہیں ہے۔
بوٹن۔ یہ مراد ذمہ میں (لذات مرزا نام ہے) ان سے خرچ دلوار دل گی۔
مرآد علی یہ تو کہہ نہیں سکتا۔

بوٹن۔ اور یہ ہزار روپیہ بھی اُسی بیگ میں ہیں۔ ”اس کا صاف جواب
مرآد علی نے نہیں دیا۔

مرآد علی۔ سب اُنھیں کے پاس سمجھو۔

بوٹن۔ تھا راجو کچھ ہے سب بل جائے گا بلکہ کچھ اور بھی۔

وہ دن گذر رہا، رات گذر رہی، صبح سویرے لذات مرزا مرآد علی کے پاس گئے
وہ زینہ سے اُتر رہا۔ لذات مرزا نے جواب مانگا۔

مرآد علی۔ جلدی کیا ہے مال آپ کے پاس ہے گھر میں طبیعت علیل ہو گئی ہے
سفر ملتوی ہے جواب آپکی مرضی کے موافق ہو گا۔ ذرا اور کھمہ جائیے۔

لذات مرزا خوب جانتے تھے کہ مرآد علی وقت گذاری کر رہا ہے مگر سخت کارروائی
منظور نہ تھی۔ چاہتے تھے کہ باسانی کام نکل جائے۔ ”ہم لعل بدست آید و ہم یار نہ جد“
بوٹن، مرآد علی کے لئے سپر کا کام دے رہی تھی،

لذات مرزا کو کچھ ایسا اس کا خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ولیس کی کارروائی سے
یہ بچاتے تھے اگرچہ مصمم ارادہ تھا کہ جب کچھ نہ ہو گا تو پھر مجبوراً گرفتار کرنا پڑے گا بوٹن
کی نسبت یہ خیال تھا کہ:-

یہ اس مردوں کے بہکانے سے گھر سے نکل آئی ہے۔ بدلفیب والدین پر جو
گذرا تھی گذرگئی اب اگر یہ گھر میں واپس جائے بھی اور بالفرض والدین رکھ بھی لیں تو بھی
بہت بُری نتیجی ہو گی عزیز اقارب بُری نظروں سے دیکھتے رہیں گے عقد ہونہ سکے گا
محض یقین نہیں مگر شاید نکاح ہو گیا ہو۔ اس صورت میں اور خرابی ہے یہ بدمعاش جیل خانہ

آخری بیکم

میں بھیج دیا جائیگا۔ میعاد پانچ چھوپرس سے کم نہ ہوگی، خورشید مرزا کا مختار تھا خیانت مجرمانہ ہے سوت برس کی میعاد یہ بد لفظیب کیونکہ بسرا وفات کرے گی۔ اگر ماں باپ نے نہ قبول کی، جوان جہاں ہے، ناک نقشہ بھی اچھا ہے ضرور شکم پر دری کر لئے بدکاری پر محصور ہو گی اگر اس کا بھی نہ بھی چاہے بد معاش کب چھوڑ دیں گے اس کا انجام بخیر نہ ہوگا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کو اس مردود سے اُفت ہے میں وہ بھی یہ ہر فریقیتہ ہے اگرچہ ایسے بد معاشوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں مگر نام تو شوہر کا ہے اب جو ہوا دہ ہو اس عورت کا اسی کے پاس رہنا اس کے حق میں مناسب ہے اور کوئی اس کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ اگر مراد علی سزا یاب نہ ہو اشاید کسی طرح کوئی صورت معاش کی نکل لئے خدا را ناقہ ہے، آدمی کا کردار ہو شیار ہے۔ بہر صورت مجھکو صبر کرنا چاہئے، مگر ہو شیار رہنا چاہئے۔

بایں

برسات کے دن گذر چکے ہیں مگر اب بھی ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بارش ہو جاتی ہے۔ بہت خوش آیا ہے خنکی ہے۔ درختوں کے سبز سبز پتے مینہ سے چھل گئے ہیں، پار پار نظر ٹڑپتی ہے۔ ہوٹل کے سامنے ایک مختصر پارک ہے۔ سامنے ہوٹل کی عمارت عالی شان چار پانچ منزلہ مکان متعدد کمرے۔ سبز سبز بیل زمین سے جو چڑھنا شروع ہوئی ہے اوپر تک پہنچ گئی ہے روکار کا اکثر حصہ بیلوں سے پوشیدہ ہے۔ محراب دار دروں میں پھولوں کے چوہی ناندے رکھے، لٹکے ہوئے ہیں، پارک کے بھوپیچھے میں ایک وسیع حوض میں فوارہ پانی کی سطح سے بہت اونچا ہو کے چاروں طرف گولائی کے ساتھ پھیل کے حوض کی سطح پر گرتا ہے فوارے کے گرنے سے پانی کی سطح پر عجیب کیفیت ہوئی ہے۔ جلدی جلدی حاب بنتے اور بگڑتے ہیں۔ فوارے سے تھوڑے سے فاصلہ پر بر قی لمب کاستون سبز نگاہوں ابہت بڑی سفید چینی کے رنگ کا گلوب سے چڑھا ہو اس توں پر بھی بلیں چڑھی ہوئی ہیں۔ ہوٹل کے پھاٹک میں کمی خوبصورت مقرر کی بُنی ہوئی قندیل آدمیاں ہے۔ وہ سامنے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن کی عمارت ریلوں کی آمد و رفت اسٹیشن کی چہل پہل غرض کو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہوٹل کے پھاٹک سے کوئی پیچا س قدم کے فاصلہ پر ایک بخ ری ہے نو ات مرزا یہاں بیٹھے ہوئے اس منظر کی سیر کر رہے ہیں، ایک مصوّر کے لئے ایسے منظر کو دیکھ کے بغیر تصویر اٹا رے کب رہا جاتا۔ پنسل اور کاغذ ہاتھ میں نقشہ کھینچ رہے

ہیں۔ اس اثناء میں یہ خیال آیا کہ زینہ خالی خوبی اچھانہ معلوم ہو گا اگر کسی کی بھولی بھالی صورت زینہ سے نیچے اُترتے ہوئے نقشہ میں دکھائی جاتی تو بہت ہی عمدۂ نقشہ بتتا۔ اتنے میں انہوں نے دیکھا مرآۃ علی کی زوجہ اُسی موقع پر اُترتی چلی آتی ہے انہوں نے فوراً اسکیح لیا۔ مصور کو ایک نظر کسی کی صورت دیکھنے لینا کافی ہے۔ اب یہ خیال کہ ایک پرده کی صورت ایسی تصویر میں کیوں کر دکھائی جائے جس پر ہزاروں نظریں پڑیں گی، نواب مرتضیٰ اپنے دل کو اس طرح سمجھا یا کہ ایک فرضی تصویر میں اگر کسی پرده نشین کا ناک نقشہ مل جائے تو یہ اُس کی تصویر نہیں ہے۔ یہ گھری گھری ہو ٹل کی عمارت کو نظر اٹھا کے دیکھتے جاتے تھے اور پسلی کام میں معروف تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ برقع پوش زینہ سے اُتر کے اسی طرف آ رہی ہے۔

بوُٹن۔ (لے آکے بہت ادب سے تسلیم کی) میں آپ سے ایک لتجائے کے آئی ہوں۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔

نواب مرتضیٰ۔ کیا تم اپنے شوہر کا پیام لے کے آئی ہو۔

بوُٹن۔ نہیں میں کسی کی طرف سے نہیں آئی ہوں۔ خود کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

نواب مرتضیٰ۔ بہت خوش ہو کے۔ بے تکلف کو۔

بوُٹن۔ خدا آپ کا بھلاکرے۔ میں کل سے آپ کی انسانیت اور شرافت آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اس سے زیادہ کیا کوئی مردت کر سکتا ہے۔

صورت ملاقات کی یہ ہے کہ نواب مرتضیٰ نیچے ہیں اور بوُٹن نیچے زمین پر اُن کے رو برد گھاس پر بیٹھ گئی ہے۔ نواب مرتضیٰ نہیں بوٹ بک ہاتھ تے رکھ دیا ہے تن متوجہ ہو کے سر بھلکائے سن رہے ہیں۔

بوُٹن۔ وہ تو مرد ہیں اور میں عورت ذات آپ کے آگے کی چھوکری۔ میرے اعمال ایسے نہیں ہیں جو کچھ اور کہہ سکوں۔

نواب مرزا - کیوں؟ جب تمہارا نکاح اس شخص کے لئے ہو چکا ہو تو پھر کیا گیا ہے۔
بوٹن - نکاح ضرور ہے مگر بغیر مال باب کی منظوری کے ان سے جھپپا کے کیا ہوں
میری سمجھہ پر کیا پھر پڑ گئے تھے۔

نواب مرزا - خیر نکاح ہے خواہ کسی طرح ہو اب ہے طلب کی بات ہو۔
بوٹن - میں چوری کے مال سے کھانا نہیں چاہتی سور مردار اور پھر جو پری
بھی کس کی۔۔۔۔۔

اتنا کہہ کے بوٹن رُک گئی۔ آخرتی کا نام زبان پر آکے رہ گیا۔
نواب مرزا - ہاں ہاں، کہو کہو۔ کس کی چوری؟ بلے شک تم جس کا مال ہے اسکو
جانشی ہو۔

بوٹن - جی نہیں میں کیا جانوں۔
نواب مرزا - تو پھر آپ نے میرے پاس آنے کی نا حق تکلیف اٹھائی میں صاف
آدمی ہوں اور صفائی پسند کرتا ہوں۔ اگر مجبہ سے کوئی کام لینا ہے تو صاف صاف
سب کہنا ہو گا۔

نواب مرزا کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس بدیفیب کم سن لڑکی کے مال باب کو
میں کچھہ تسلی دے سکوں یہ نیکی کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے پاے۔

بوٹن - میں خوب جانتی ہوں کہ یہ آخرتی بی بی کا مال ہے۔ ایسی نیک آدمی
وہ تو فرشتہ ہیں ان کی چوری کر کے کوئی فلاح نہیں پا سکتا۔
نواب مرزا تم آخرتی بیکم کو کیوں کر جانتی ہو؟

بوٹن - اب اسکو چھوڑ دیجئے۔ مجھ پر جسم کھیئے۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔
نواب مرزا - حال تو ذرا ذرا اسائم کو بتانا ہو گا۔ آخر میں بھی تو سنوں تم کس کی
لڑکی ہو کیونکہ اس بد معاشر کے لیے پھنسنی۔ اب تمہارا کیا انجام ہوتا ہے۔

بُون۔ اب تو جو کچھ ہے ہونا تھا، ہوا جب اونکھی میں سردیاں تو دھمکیوں کا گیا درجہ کیا وہ بے شک ہے اکی۔ مگر اب چھوڑ دینا کیسا۔ اب چور ہو جواری ہو سترانی ہو جو کچھ ہے میں سیاہ روں گی۔ میری قسمت کا یہی لکھا تھا۔

نواب مرزا۔ شاباش بھلے آدمیوں کی لڑکیاں ایسا ہی کرنی ہیں۔ مگر کاش اُس کم بخت کو اس کی شرم ہے۔ ”عرض بُون کو اپنی سرگزشت نواب مرزا سے کہنا پڑی جس کو ناظرین خوب جانتے ہیں دو ہر لئے سے کیا حاصل؟“

نواب مرزا۔ تو اب کیا چاہتی ہو۔

بُون۔ مجھہ پر رحم کر کے قید سے بچا دیجئے۔ میر صاحب اگر آپ نے میری فرماں نہ سستی تو پھر یہ سمجھہ لیجئے گویا میری ساری زندگی آپنے خاک میں ملا دی۔ سزا کاٹنے کے بعد پھر کوئی پاس کھڑے ہونے کا رد ادارہ ہو گا۔ بھیک بھی مانگے نہ ملے گی۔ دوسرے یہ شخص بُرا ہے اور بدتر ہو جائے گا۔ پھر عمر بخیر سوائے چوری کے ادر کوئی پیشہ کوئی کام نہ ہو سکے گا۔ میری ہمیٹ پلیڈ ہو گی۔ یہ کہہ کے بُون نے چھینیں مار کے رد ناشری کر دیا۔

نواب مرزا۔ سخت متأثر ہوئے۔ اچھا تو رد و نہیں میرا کلیچہ پھٹا جاتا ہے، نواب مرزا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہتھ، اچھا مال سے مجھہ کو کام ہے۔ دو میرے پاس ہے۔ جاؤ میں کچھہ نہ کر دیں گا پہلے سے میرا یہی خیال تھا مگر اُس کے انکار اور سرکشی سے کبھی کبھی خیال آتا تھا۔۔۔۔۔

بُون۔ نہیں میر صاحب آپ اپنی طرف دیکھئے۔

نواب مرزا۔ دیکھو کل کا داقعہ ہے میرا گلا کھونٹے دیتا تھا۔ ہوٹل کا آدمی غل مچانے کو تھا میں نے بہانہ کر کے ٹال دیا، ورنہ کل ہی گرفتار ہو گیا تھا۔

بُون۔ میر صاحب آپ اصل سادات ہیں اور میں سیدوں کی لونڈی ہوں،

عمر بھر آپ کی احسان من در ہوں گی اور تو مجھے سے کیا ہو سکتا ہے دعائیں دیا کروں گی۔
لواہب مرزا۔ اچھا تو اور جو کچھہ کہنا ہو کہو۔

بوئن۔ ہمارے ہزار روپیہ ذاتی بھی اُس میں ہیں۔
لواہب مرزا۔ وہ واپس دے جائیں گے۔

بوئن۔ مگر ہزار روپیہ سے کیا ہوتا ہے۔ پر دلیں جانا ہے کچھہ آپ اور دد
کیجئے۔

لواہب مرزا۔ اچھا ہزار روپیہ اور ایک ہزار روپیہ میں اور دوں گا، اول تو اختری
معاف کر دیں گی۔ اور اگر نہ معاف کریں تو میں خود اپنے پاس سے قسطیں ادا کر کے ادا
کر دوں گا۔ تم خاطر جمع رکھو۔ لیں اتنا مجھ سے ہو سکتا ہے۔

بوئن۔ خدا آپ کو جیتا رکھے لیں اور کیا ہا۔

لواہب مرزا۔ لیکن اتنا سمجھا دو کہ اس بیگ سے عالمیہ اور جو کچھہ اختری
یا خور شید مرزا کا کوئی کاغذ یا روپیہ یا جواہر غرض جو کچھہ ہو واپس دے کے حساب
پاک کر دینا ہو گا۔

بوئن۔ میں ذمہ دار ہوں سوائے اس دو ہزار کے اور کچھہ نہ لیا جائے گا۔
لواہب مرزا۔ اچھا تواب جاؤ۔ خاطر جمع رکھو۔ میں کچھہ نہیں کرنے کا۔ یہ سب
تمہاری خاطر سے۔

بوئن۔ تسلیم کر کے دعائیں دیتی ہوئی ہوں کی طرف روانہ ہوئی۔

لواہب مرزا۔ اُس کی ایمان داری اور دفاداری سے بہت خوش ہوئے۔
بے شک شریف کی اولاد ہے۔ ایسی دل کی نیک باہر دت اس بد معاش کی تقدیر
میں تھی۔ اس حساب سے تو بڑا خوش قسمت ہے مگر اس کی تقدیر یاد چھوٹ گئی۔
کس قدر اپنی قسمت پر قائم ہے عمر بھر اس بد معاش بے ایمان چور کا ساتھ دینے

کو موجود ہے صرف اس لئے کہ اُس کا ساتھ ہو گیا ہے گو کسی طور سے ہو شوہر کا نام
تو ہو گیا۔

بوٹن کو بجائے خود اطمینان ہو گیا تھا۔ اُس نے مرآد علی سے کچھ نہیں کہا
اُس کو یقین تھا کہ آج رات گویا کل صحیح کو میر صاحب سے اور مرآد علی سے گفتگو
ہو کے معاملہ طے ہو جائے گا۔ وہ چاہتی کہ کہیں جلد یہ حجہ گڑا پچکے۔ شام ہوئی قریب
اٹھ نوبجے کے درمیان کھانا کھایا باتیں کیں۔ یہ باتیں جہاز کے متعلق تھیں۔
بوٹن۔ مجھے تو سمندر کے نام سے بخار چڑھتا ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔
مرآد علی سفر کی خوبیاں جہاز کے سفر کی سریں نئی نئی چیزوں کا دیکھنا، جہاز کا چلن،
لنگر ڈالن جو کچھ اُس نے شناستا یا تھا اُس کو اس طرح سے بیان کر رہا تھا جس سے
بوٹن کا خون دُور ہے۔ شوق بڑھے۔

باتیں کرتے رات زیادہ ہو گئی دلنوں سور ہے۔ صحیح سویرے دہ ہوٹل سے
سے نکل کے غائب ہو گیا۔ نوبجے دس بجے دو پہر ہو گئی ابھی تک کہیں پتہ نہیں کبھی
کبھی بوٹن کو خیال ہوتا تھا کہ کہیں مجھ کو یہیں چھوڑ کے چلا تو نہیں گیا۔ جب سے اُس کا
چورہ ہونا بوٹن پر ثابت ہو گیا تھا بھروسہ نہ رہا تھا یہ بھی اُس کی جرأت تھی کہ وہ ساتھ
دیتے پر آمادہ تھی۔ اُس کو مر جانا قبول تھا مگر دلن کو دالپ جا کے ماں باپ کو صورت
وکھانا ہجھولیوں سے آنکھ چار کرنا کسی طرح گوارہ نہ تھا۔ آخر سر شام مرآد علی آیا۔ گاڑی
لیتا آیا اور آتے ہی جلدی کرنے لگا، لے اٹھ سوار ہو، بہت گھرا یا ہوا تھا۔ اٹھ جلدی
اٹھ۔ ایک دم کی مہلت نہیں ہے۔ یہ جلدی، یہ گھرا ہٹ بوٹن کی امید کے بالکل غلط
تھی۔ وہ حیران تھی کہ یہ کیا ہوتا ہے معاملہ طے ہوا یا نہیں۔؟

بوٹن۔ آخر کھاں لئے چلتے ہو کچھ کہو تو سہی۔

مرآد علی۔ کہہ دیا کہ اٹھواس وقت فضول بالوں کا موقع نہیں ہے۔ جہاز کا نگہر

اُٹھنے کو ہے۔

لواہب مرزا سے کیا ٹھہر کی؟ یہ سوال اُس کی زبان پر بار بار آیا مگر مرآۃ علی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سو اسے اس کے کہ جلدی اٹھو چلو۔ گویا اُسے کوئی بات آتی ہی نہ تھی۔ مرد ہر طرح سے عورت پر قوی ہے۔ عورت ہر صورت سے محکوم ہے۔ بوڑن مرآۃ علی کے قابو میں لختی۔ عمر بھر سا تھد دینے کا فائدہ کر لیا تھا۔ غیر ملک میں جہاں کوئی اُس کا سا تھی نہ تھا۔ لواہب مرزا نے اس سے سب کچھہ کہا مگر یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ تو مرآۃ علی کو چھوڑ دے۔ بلکہ وہ اپنے نزدیک بوڑن کے حق میں یہی مناسب سمجھے ہوئے تھے کہ وہ مرآۃ علی کا سا تھد دے۔ سو لئے مرآۃ علی کے اب اُس کا کہیں گزارہ نہیں ہے۔ آخر بوڑن کو کچھہ نہ بن پڑا۔ اسباب گاڑی پہنچنے چکا تھا۔ وہ بھی بر قعہ اور ٹھوڑے کے ساتھ ہو گئی۔ مرآۃ علی نے مارے جلدی کے اُس گود میں اٹھا کے ٹھاڑی میں بٹھا دیا۔ گاڑی والہ سے کہا چلو، راستہ میں گاڑی والے سے بار بار جلد چلنے کی تاکید، تو رہی تھی۔ چلو! چلو!

گاڑی بندرگاہ پہنچنے لگی۔ بوڑن کا ہاتھ میں ہاتھ مرآۃ علی جلد جلد قدم بڑھائے چلا جاتا ہے۔ راستہ میں کہیں موٹے موٹے رے سے لپٹے ہوئے پڑے ہیں، گھریوں اور صندوقوں کا جا بجا انبار ہے۔ مختلف ملکوں کے مسافر مرد عورت بچے، ہاتھی، گھوڑے بھر ڈیاں، دُبیے، بکرے، بکریاں، گائے بیل، جہاز پر بار کرنے کے لئے بھاگ کھنچنے چلے جاتے ہیں۔ ہاتھی کے پیٹ سے زنجیر پیٹی لگی۔ بڑے بڑے کانٹے لگائے گئے۔ کہہین دو جھوڑھا لے کی کل، اٹھی ہاتھی چند منٹ میں جہاز پر تھا عرض ایک ایسا عجیب و غریب منظر تھا جو بوڑن نے ہرگز نہ دیکھا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اس تماشہ سے لطف اٹھانا اس کی قسمت میں نہ تھا وہ حیران تھی کہ جہاز پر آنے کی اتنی جلدی کیا تھی۔ سمندر کو دیکھ کے اُس کو جھوڑ جھوڑی سی معلوم ہوئی جیسے نجار چڑھتا ہے

مگر کیا کسکتی تھی، مرآد علی اس کو دبوچے ہوئے تھا۔ چھوٹی کشتیاں کنارہ پر آ کے لگائی جاتی تھیں اُس پر مسافر سوار ہو جاتے تھے، جہاز کنارے سے فاصلہ پر تھا۔ کشتی جہاز کے پیچے جا کے ٹھہری۔ یہاں سیرھیوں کے ذریعہ سے اور پر چڑھنا ہوتا تھا۔ بوٹن نے دلوں آنکھیں بند کر لی تھیں، مرآد علی سے منت کر رہی تھی، اللہ تم اس چڑھا دینا ہم سے نہ چڑھا جائے گا۔ مرآد علی دلا سادے رہا ہے، کشتی کے انتظار میں تھا۔ ایک ایک سینکڑا ایک ایک لگنہ معلوم ہوتا تھا۔ آخر کشتی آہی گئی، مرآد علی نے بوٹن کی بوکری جس میں کھانے کا سامان تھا ملاج کو دیا۔ ملاج مسافروں کو کشتی میں چڑھا آجائتا تھا۔ اب بوٹن کی باری تھی۔ اتنے میں چند شخص اس موقع پر آگئے اور ایک سلنے ملاج کو رد کا۔ بوٹن نے پڈٹ کے دیکھا۔ وہ جس نے ملاج کو رد کا تھا“ اس شخص کو تو میں کچھ بہچا سئی ہوں کچھ بھراں ہوئی تھی کہ فوراً خیال ہنس آیا۔ ہوٹل کا آدمی تھا، وہی جس نے نواپ مرزا اور مرآد علی میں بچ پچاڑ کیا تھا۔ ابھی بوٹن کا خیال اس شخص کی شناخت میں سصرف تھا کہ اور ایک شخص سپاہیانہ لباس بہت گراں ڈیل سرخ پکڑی سیلا کوٹ و پتلون مرآد علی کے شانہ پر ہاتھ دال کے ذریعہ تکلیف کر سکتے۔ آپ کو تھا نہ پر علنا ہو گا۔

مرآد علی۔ یہ میں کیوں رد کا جاتا ہوں۔؟

افسر پلیس۔ بردا سنگین جرم ہے۔ ہتکڑیاں ڈال کے، قتل انسان۔

مرآد علی۔ قتل انسان! غصب ہے! میں نے کس کو قتل کیا۔

ہوٹل کا ملازم۔ وہی جن کا کل تم زینہ پر گلا گھونٹ رہے تھے۔

مرآد علی۔ وہ تو تم کو معلوم ہو گیا تھا کہ محض مذاق ہے۔

افسر پلیس۔ وہ مذاق تھا۔ تو یہ واقعہ ہے۔ بس خاموش! اور ایک سپاہی کی طرف دیکھ کے گلا گھونٹنا بھی کوئی مذاق ہوتا ہے۔